ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
Vol.9. No.1.2026

مشرقی عورت کی سماجی فعالیت: معاصر اردو افسانے کے تناظر میں شناخت اور خود مختاری کے مباحث

The Social Activism of the Eastern Woman: Debates of Identity and Autonomy in the Context of Contemporary Urdu Fiction

ڈاکٹر غلام فریدہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

This article examines women's social agency in Pakistani society within its historical, cultural, and ideological context. It highlights that, unlike Western feminist models, women's agency in the East has traditionally been shaped by religious values, family structures, and social norms. The study critically analyzes contemporary feminist movements, particularly the Aurat March, and points out the tension between global feminist narratives and local cultural sensitivities. It further explores the role of technology in expanding women's voices and participation in the digital age, enabling them to express, resist, and redefine their identities. Additionally, through an analysis of contemporary Urdu fiction by female writers, the article demonstrates how women are portrayed as autonomous, conscious, and socially active individuals contributing to societal transformation. The study concludes by advocating a balanced, culturally grounded approach to women's agency that aligns modern aspirations with indigenous values.

Keywords: Feminism,Social Activism,Aurat March,Eastern women,Identity,Autonomy.

مشرقی معاشروں، خصوصاً برصغیر اور پاکستان میں، عورت کی فعالیت ایک مختلف تاریخی و تہذیبی پس منظر رکھتی ہے۔ یہاں عورت کو معاشرتی زندگی کا لازمی حصہ سمجھا گیا، لیکن اس کی فعالیت مذہبی، خاندانی اور اخلاقی اصولوں کے دائرے میں متعین رہی۔ پاکستانی عورت نے تعلیم، صحت، ادب، سیاست اور سماجی خدمات کے میدان میں اہم کردار ادا کیا۔ مگر جدید زمانے میں جب عالمی سطح پر فیمینزم کی لہریں مشرقی معاشروں تک پہنچیں، تو یہاں کے فکری اور سماجی ڈھانچوں میں ایک نئی بحث چھڑ گئی کہ کیا مغربی تصورِ آزادی مشرقی عورت کے لیے موزوں ہے۔ پاکستان میں 2018ء کے بعد اس سوال نے نئی شدت اس وقت اختیار کی جب نوجوان خواتین نے پہلی بار عورت مارچ کے نام سے ایک منظم عوامی تحریک شروع کی۔ عورت مارچ کا مقصد بظاہر خواتین کے حقوق، مساوی مواقع، اور سماجی انصاف کی جدوجہد تھا۔ مارچ کے آغاز میں خواتین کے بنیادی مسائل جیسے اور تولیدی صحت کو نمایاں کیا گیا۔ تاہم جلد ہی یہ تحریک عوامی سطح پر ایک شدید تنازعے میں بدل گئی۔ اس کی وجہ بعض نعرے اور پلے کارڈز گھریلو تشدد، کام کی جگہ پر ہراسانی تھے جنہیں عوامی اور مذہبی طبقے نے اسلامی و مشرقی اقدار کے منافی سمجھا۔

> "پاکستان میں عورتوں کی جدوجہد بڑے ابتدائی مراحل میں ہے۔ یہاں تو فیمینزم زندگی کے بنیادی حقوق مثلاً زندہ رہنے کا حق، تعلیم کا حق، آمد و رفت پر پابندی نہ ہونے، اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے، پسند کی شادی کرنے اور بحیثیت انسان معاشرے میں پہچانے جانے کا حق مانگ رہا ہے، عورت، تعلیم، صحت، ملازمت اور سماجی حقوق میں مردوں سے کہیں کم ہے اور اپنی زندگی کے فیصلوں پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔"1

سب سے زیادہ متنازعہ نعرہ "میرا جسم، میری مرضی" تھا، جو دراصل مغربی تحریکوں سے مستعار لیا گیا۔ پاکستانی معاشرت میں اس نعرے کے مختلف معانی بیان کیے گئے، مگر مجموعی طور پر یہ عوامی سطح پر قبول نہ ہو سکا۔ عوام اور مذہبی علما نے اسے عورت کی آزادی کے نام پر اخلاقی حدود سے انحراف کے مترادف سمجھا۔ نتیجتاً عورت مارچ اپنے اصل مقصد یعنی خواتین کے حقیقی مسائل کے حل سے ہٹ کر نعرہ بازی اور اشتعال انگیزی کا نشان بن گیا۔

فیمینسٹ خواتین جیسے کشور ناہید نے اس رجحان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ عورت کو اپنی آزادی جسم یا زبان میں نہیں بلکہ قانون اور انصاف میں تلاش کرنی چاہیے۔ ان کے مطابق نئی نسل کی سرگرمیاں مغربی ماڈلز کی اندھی تقلید ہیں جن میں مقامی سماجی اور مذہبی حساسیت کا فقدان ہے۔ مشرق کے تناظر میں عورت کی حقیقی فعالیت کا مطلب مردوں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

کی نقل نہیں، بلکہ اپنے کردار، فطرت، اور سماجی ذمہ داریوں کو وقار کے ساتھ نبھانا ہے۔ آزادی کا مطلب خاندانی نظام سے بغاوت نہیں، بلکہ اپنے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ایک متوازن اور باشعور کردار ادا کرنا ہے۔ پاکستانی عورت کو ایسی تحریک کی ضرورت ہے جو اس کی ثقافتی شناخت، مذہبی اصولوں، اور سماجی حقیقتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

جدید دنیا میں عورت کی فعالیت کا تصور تیزی سے بدل رہا ہے۔ اکیسویں صدی میں ٹیکنالوجی نے عورت کو ایک نئی فکری، سماجی اور سیاسی قوت عطا کی ہے۔ وہ اب محض گھریلو یا مقامی دائرے کی کردار نہیں رہی بلکہ ڈیجیٹل دنیا میں اپنی موجودگی کے ذریعے عالمی سطح پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ٹیکنالوجی نے عورت کو اظہارِ رائے، شعور کی بیداری اور مزاحمت کے لیے ایسے ذرائع فراہم کیے ہیں جن سے وہ نہ صرف اپنی آواز بلند کر سکتی ہے بلکہ اپنی شناخت اور نظریے کو بھی تشکیل دے سکتی ہے۔ ماضی میں جہاں عورت کی جدوجہد محدود اور خاموش تھی، وہاں اب سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، ڈیجیٹل میڈیا اور مواصلاتی ذرائع نے اسے اظہار اور احتجاج کے لیے ایک وسیع و متحرک میدان مہیا کیا ہے۔ یہ تبدیلی دراصل عورت کے فعال کردار کی نئی جہت ہے ایک ایسی جہت جو فکری، سماجی اور ٹیکنالوجیکل ہے۔

> "صنفی مساوات کی بات کرتے ہیں تو اس زمرے میں ہم پلہ فریق کا شمار ہو گا، مذہبی عقائد اور سائنسی و سماجی علوم کی روشنی میں عورت نہ کمتر ہے اور نہ ہی برتر۔۔۔ مرد اساس معاشرے میں عورت کے تئیں برتے جانے والے ناروا سلوک کی بیخ کنی کرنا ضروری ہے۔"2

ٹیکنالوجی نے عورت کے لیے اظہار کے نئے دروازے کھولے ہیں۔ اب وہ اپنی بات روایتی ذرائع کے بجائے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز جیسے سوشل میڈیا، بلاگز، ویڈیوز اور آن لائن مہمات کے ذریعے دنیا تک پہنچا سکتی ہے۔ یہ ذرائع نہ صرف اس کی آواز کو وسعت دیتے ہیں بلکہ اس کی سوچ کو ایک اجتماعی بیانیے کا حصہ بھی بناتے ہیں۔ عورت کے لیے اب احتجاج کا مطلب صرف سڑکوں پر نکلنا نہیں رہا، بلکہ ڈیجیٹل میدان میں اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنا بھی ایک مؤثر مزاحمتی عمل بن گیا ہے۔ اس طرح ٹیکنالوجی نے اسے وہ پلیٹ فارم دیا ہے جس پر وہ بغیر کسی ترجمان یا نمائندے کے اپنی بات خود کہہ سکتی ہے۔

عورت کی فعالیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ٹیکنالوجی کو محض رابطے یا تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ شعوری مزاحمت اور تبدیلی کا آلہ بناتی ہے۔ وہ اپنے موبائل فون، کیمرے، یا سوشل میڈیا اکاؤنٹس کے ذریعے وہ حقائق سامنے لاتی ہے جنہیں طاقتور نظام چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح ٹیکنالوجی عورت کے ہاتھ میں خاموش مزاحمت کا ایک نیا ہتھیار بن گئی ہے۔ ایک ایسا ہتھیار جو شور نہیں مچاتا مگر طاقت کے بیانیے کو چیلنج کرتا ہے۔ یہ مزاحمت کبھی ایک ویڈیو کے ذریعے ہوتی ہے، کبھی ایک تصویر کے ذریعے اور کبھی محض ایک تحریری پوسٹ کے ذریعے جو ہزاروں دلوں تک پہنچ جاتی ہے۔

ڈیجیٹل عہد میں عورت کی فعالیت کا ایک اور نمایاں پہلو اس کی علمی اور فکری خود مختاری ہے۔ اب عورت کسی سیاسی یا سماجی رہنما کے بیانیے کی محتاج نہیں۔ وہ خود اپنی کہانی لکھتی ہے، اپنے تجربات کو ریکارڈ کرتی ہے، اور اپنے نظریے کو تشکیل دیتی ہے۔ اس خود بیانی (self-narration) نے عورت کو مظلوم کردار سے نکال کر تاریخ کی شریک مصنفہ بنا دیا ہے۔ وہ اب صرف متاثرہ نہیں بلکہ گواہ، مؤرخ، اور تجزیہ نگار بھی ہے۔ ٹیکنالوجی نے اسے وہ طاقت دی ہے کہ وہ اپنی زندگی اور معاشرت کے حقائق خود بیان کرے اور اپنی شناخت کو دوسروں کی تعبیرات سے آزاد کرے۔

> "عورت کا ماحول، اس کی اقدار، اخلاقیات، دلچسپیاں دانشمندی اور برتاؤ کو متشکل کرتا ہے۔ یہ سارے عوامل عورت کو اوسط درجے کے انسان کے برابر بھی شعور رکھنے اور ہمت بلند رکھنے سے باز رکھتا ہے۔ ہر چند عمومی معاشرے میں مرد بھی اوسط ذہن اور شعور کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر عورت کا اس طرح ہونا عیب کی طرح نوٹ کیا جاتا اور اس کے کمتر شہری ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کام کرنے والی عورت ہو تو دفتر، گھر، سب جگہ، زیادہ باشعور، زیادہ با اعتماد اور ان تھک ہونے کا ثبوت دیتی نظر آئے گی۔"3

ٹیکنالوجی عورت کے لیے صرف اظہار کا وسیلہ نہیں بلکہ اختیار (empowerment) کا ذریعہ بھی ہے۔ اس نے عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر لاتے ہوئے اسے عالمی سطح پر قابلِ رسائی اور مؤثر بنا دیا ہے۔ اب ایک عورت اپنے لیپ ٹاپ یا موبائل کے ذریعے وہ کام کر سکتی ہے جو پہلے بڑے ادارے یا سیاسی تحریکیں کرتی تھیں ـــ مثلاً آگاہی مہمات چلانا، قانون سازی پر بحث شروع کرنا، یا عالمی سطح پر خواتین کے حقوق سے متعلق بیانیہ تشکیل دینا۔ اس طرح ٹیکنالوجی نے عورت کو سماجی اور فکری قیادت کا موقع دیا ہے۔

جدید خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں عورت کی شخصیت گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں بلکہ وہ تعلیمی، معاشی، سماجی اور سیاسی میدانوں میں سرگرمِ عمل نظر آتی ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ عورت نہ صرف اپنی شناخت، آزادی اور مساوات کے لیے کوشاں ہے بلکہ سماج کی تشکیلِ نو اور مستقبل کی سمت متعین کرنے میں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

بھی کلیدی کردار ادا کر رہی ہے۔ یوں معاصر خواتین افسانہ اپنے قاری کو عورت کے وجود کی اس جہت سے روشناس کراتا ہے جسے محض احتجاج یا مزاحمت سے نہیں بلکہ شعور، آگہی اور تعمیری فعالیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

نمائندہ خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقات اس امر کی واضح شہادت فراہم کرتی ہیں۔ مثلاً نیلم احمد بشیر کے افسانے عورت کو محض گھریلو زندگی کی اسیر نہیں دکھاتے بلکہ اس کی خودی اور انفرادی شناخت کے لیے جدوجہد کو پیش کرتے ہیں۔ فرخندہ لودھی کے ہاں عورت کی شعوری بیداری اور معاشرتی تضادات سے ٹکراؤ نمایاں ہے۔ صنوبر الطاف کے افسانے عورت کو مستقبل کی معمار اور ایک باشعور رہنما کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔ اسی طرح کشور ناہید اور خالدہ حسین کی تحریریں عورت کی داخلی پیچیدگیوں کو سماجی فعالیت کے تناظر میں پرکھتی ہیں۔ ان سب مثالوں سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ معاصر خواتین افسانہ نگاروں نے عورت کو ایک ایسی تخلیقی اور سماجی قوت کے طور پر پیش کیا ہے جو نہ صرف اپنے وجود کی بازیافت کر رہی ہے بلکہ پورے معاشرے کی فکری سمت کو بھی متاثر کر رہی ہے۔

معاصر خواتین افسانہ نگاروں میں مستقبل سازی کا پہلو نہایت اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں عورت محض ایک تابع یا مظلوم کردار کے بجائے بطور رہنما اور فکر ساز سامنے آتی ہے۔ خواتین افسانہ نگار اپنی تخلیقات میں ایسے کردار پیش کرتی ہیں جو سماجی، سیاسی، فکری اور اخلاقی سطح پر قیادت کی نئی جہات متعین کرتے ہیں۔ یہ قیادت صرف گھریلو دائرے تک محدود نہیں رہتی بلکہ تعلیمی، معاشی اور فکری میدانوں میں بھی عورت کی صلاحیتوں کو نمایاں کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جدید فکری رویوں کی تشکیل میں خواتین افسانہ نگار مرد و عورت کے باہمی تعلقات کو نئی معنویت عطا کرتی ہیں، سماجی جبر کے خلاف مزاحمت کا حوصلہ فراہم کرتی ہیں اور فرد کی انفرادی شناخت کو اجتماعی تناظر میں پرکھتی ہیں۔ ان رویوں میں مساوات، آزادیِ اظہار، انسان دوستی، ماحولیات اور ٹیکنالوجی جیسے نئے مباحث بھی شامل ہوتے ہیں، جو اس بات کا اعلان ہیں کہ خواتین کی افسانہ نگاری مستقبل کے سماج کی محض عکاسی ہی نہیں کر رہی بلکہ اسے تشکیل بھی دے رہی ہے۔

اسی حوالے سے عہد حاضر کی خواتین افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام منزہ احتشام گوندل کا ہے۔ ان کے ہاں عورت محض مفعول یا مظلوم کی صورت میں نہیں بلکہ ایک فعال اور باشعور کردار کے طور پر سامنے آتی ہے جو اپنی ذات اور سماج دونوں کی تشکیل میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے۔ ان کے افسانوں میں خواتین کے کردار روایتی حدود سے آگے بڑھ کر اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، سماجی رویوں پر سوال اٹھاتے ہیں اور نئے فکری امکانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ افسانے عورت کی قیادت کو گھریلو دائرے سے نکال کر فکری، معاشرتی اور وجودی سطح پر وسعت دیتے ہیں اور قاری کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ عورت مستقبل کے سماج میں محض شریک نہیں بلکہ رہنما اور معمار بھی ہے۔

منزہ احتشام گوندل کے افسانہ "تقلیب " کی مرکزی کردار ماریہ مارغریطہ ایک ایسی عورت ہے جو اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ زندگی میں مکمل خود مختار اور خود انحصار ہے۔ وہ اپنے فیصلوں اور عمل کی ذمہ داری خود اٹھاتی ہے اور اسی خود انحصاری کو قیادت کی بنیادی صفت کے طور پر نمایاں کرتی ہے۔ ماریہ جیالوجسٹ ہے، افسانے میں اس کا Fossils پر تحقیق کرنا محض ذاتی دلچسپی نہیں بلکہ مستقبل کی بقا اور ارتقاء جیسے بڑے مقاصد سے جڑا ہوا ہے، جو اس کے وژن اور مستقبل بینی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے مقاصد میں اس قدر یکسو اور پرعزم ہے کہ سماجی اور معاشرتی رکاوٹیں بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتیں، اور یہی وصف اسے ایک قائد کے طور پر ممتاز کرتا ہے۔ اس کردار کے ذریعے افسانہ صنفی کرداروں کی از سرِ نو تشکیل کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ عورت محض گھریا رومانوی تعلقات تک محدود نہیں بلکہ تحقیق، علم اور عالمی سطح کے میدانوں میں بھی قیادت کا ثبوت دے سکتی ہے۔ ماریہ اپنے عشق کو بھی فن اور تحقیق کے ساتھ جوڑتی ہے، جس سے عورت کی غیر روایتی قیادت کی ایک نئی جہت سامنے آتی ہے۔ یوں "تقلیب" اس پیغام کو اجاگر کرتا ہے کہ مستقبل کی دنیا میں خواتین نہ صرف علم و فن کے ذریعے اپنی قیادت منوا سکتی ہیں بلکہ اپنے فیصلوں کی مالک بن کر سوسائٹی کے ارتقاء میں قائدانہ کردار ادا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں۔

> "وہ کیا سوچتی ہے میں نہیں جانتا۔ اس وقت جب کہ وہ اپنے فوسل کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے دماغ میں کیا ہے۔ میں نہیں جانتا۔ میں بھی تو اس کی طرح جیالوجسٹ ہوں۔۔۔ آر کیالوجسٹ ہوں پھر میں زمین کی بجائے اس کے شعور اور لاشعور کی تہیں کیوں کھود رہا ہوں؟ شاید میں اس جتنا کمیٹڈ نہیں۔ مجھے اس کے لاشعور تک جانے کے لیے کئی ہزار سال پیچھے ماضی میں جانا پڑے گا"۔4

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ماریہ مارغریطہ کا کردار عورت کی اس جہت کو سامنے لاتا ہے جو محض جسمانی وجود یا صنفی تقسیم تک محدود نہیں بلکہ اپنی ذہانت، صلاحیت اور ہنر مندی سے سماجی فعالیت کی علامت بن جاتا ہے۔ وہ ان تمام کاموں کو بخوبی انجام دیتی ہے جنہیں عمومی طور پر مردانہ ذمہ داریاں سمجھا جاتا ہے، جیسے بیگ کی زپ یا جوتے کی مرمت، بجلی کے آلات درست کرنا، حتیٰ کہ علاج معالجہ تک۔ یہ کردار اس بات کی دلیل ہے کہ عورت نے صرف اپنی نسوانی شناخت پر انحصار نہیں کیا بلکہ اپنی ذہنی و فکری توانائی کو بھی معاشرتی زندگی میں بروئے کار لایا ہے۔

> "ماریہ مارغریطہ کو میں دیکھتا ہوں۔ وہ سارے نام نہاد مردانہ ٹائپ کام خود کر لیتی ہے۔ بیگ کی زپ کو ٹھیک کرنا، جوتے کی مرمت، بجلی کے چھوٹے موٹے کام کی مرمت وہ خود کرتی ہے۔ اس نے محض بدن پر اکتفا نہیں کیا ہوا وہ اپنے دماغ کو بھی بروئے کار لاتی ہے۔ حتیٰ کہ زخموں کی مرہم پٹی ، بیماروں کا علاج، کپڑوں کی سلائی اس طرح کے ہزاروں کام اس کی دلچسپی کے علاقے میں داخل ہیں۔"5

اس کردار کا یہ رویہ اس بات کا اعلان ہے کہ عورت محض جسم نہیں بلکہ ایک مکمل شخصیت ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں اپنی مہارت اور صلاحیت سے حصہ ڈال سکتی ہے۔ اس کی ہمہ جہتی اور کثیر الجہتی دلچسپیاں عورت کے کردار کو گھریلو دائرے سے نکال کر ایک سماجی اکائی کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی ذات کی تکمیل کر رہی ہے بلکہ اس کردار کے ذریعے عورت کی اجتماعی حیثیت کو بھی نئی پہچان دے رہی ہے۔ یوں ماریہ مارغریطہ عورت کی سماجی فعالیت کی وہ صورت ہے جس میں عورت ہر طرح کی ذمہ داری سنبھال کر مرد کے برابر بلکہ بعض مواقع پر اس سے آگے بڑھ کر اپنا وجود منواتی ہے۔

منزہ احتشام گوندل کا افسانہ "کبالہ " بھی عورت کی خود مختاری اور سماجی فعالیت کا نہایت اہم استعارہ ہے۔ اس افسانے میں ایک جرمن لڑکی کی کہانی پیش کی گئی ہے جو اپنی زندگی کے فیصلے کرنے میں آزاد اور خود مختار ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو دبانے یا سماجی دباؤ کے سامنے سر جھکانے کے بجائے انہیں برملا بیان کرتی ہے اور ان کے حصول کے لیے عملی جدوجہد کرتی ہے۔ یہ کردار عورت کی اس نئی شناخت کی نمائندگی کرتا ہے جو محض مظلوم یا بے بس نہیں بلکہ اپنی خواہشات، خوابوں اور فیصلوں کی تکمیل کے لیے سماج کے طے شدہ ڈھانچوں کو آزمانے پر آمادہ ہے۔

کبالہ کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش کو قانونی اور سماجی جواز دینا چاہتی ہے۔ وہ اپنی دوست کے سامنے ربی یعسوف سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننا چاہتی ہے۔ یہ خواہش خفیہ یا گناہ کے احساس میں ڈوبی ہوئی نہیں بلکہ ایک کھلا اور پر اعتماد اعلان ہے۔ مزید یہ کہ وہ اس مقصد کے لیے عدالت عالیہ سے رجوع کرتی ہے تاکہ اپنی آرزو کو قانونی تحفظ دلوا سکے۔ یہاں عورت کی سماجی فعالیت اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے، کیونکہ وہ اپنی خواہش کو ذاتی سطح سے آگے بڑھا کر سماجی سطح پر تسلیم کروانا چاہتی ہے۔ افسانے میں کبالہ کے کردار کی یہ جھلک نہایت معنی خیز ہے:

> "کیا سماج کی نظر میں معزز کہلانا اتنا ہی ضروری ہے۔ اگر بہت ضروری ہے تو پھر وہ اپنی خواہشات کی تکمیل چور راستوں سے بھی تو کر سکتی ہے۔۔۔ مگر اُسے وہ تمام آرزوئیں قانوناً جائز اور مبنی بر حق ہو کر پوری کرنا تھیں تاکہ وہ قابلِ تقلید بن سکے اور اس کے بعد آنے والیوں کو کوئی مسئلہ نہ رہے۔"6

یہ جملے واضح کرتے ہیں کہ کبالہ کی جدوجہد صرف اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نہیں بلکہ آئندہ نسل کی عورت کے لیے بھی ہے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ اس کی خواہشات سماجی سطح پر جواز حاصل کریں تاکہ آنے والی عورتیں اسے مثال بنا سکیں۔ یہی رویہ اسے مستقبل ساز بناتا ہے۔ وہ اپنے حال کو مستقبل کے ساتھ جوڑتی ہے اور عورت کے اجتماعی مقدر کے لیے نئی راہیں کھولنے کی آرزو رکھتی ہے۔

عدالت عالیہ کا اس کی درخواست کو "مبنی بر حماقت" قرار دینا اس بات کی علامت ہے کہ سماج ابھی تک عورت کی اس سطح کی آزادی اور خود مختاری کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ ربی یعسوف کو بدنام کرنے کا الزام عورت کے اس خواب پر ایک طرح کی سماجی ضرب ہے۔ تاہم کبالہ کی کوشش اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کے لیے ایک جائز اور معزز راستہ اختیار کرے۔

> "اُنھیں دنوں کبالہ نے عدالت عالیہ سے رجوع کیا۔ مدعا یہ تھا کہ ربی یعسوف کو اُس کے ساتھ ملاپ کی قانونی اجازت دی جائے تاکہ وہ اُس کی اعلانیہ ولدیت کے ساتھ اُس کا بچہ پیدا کر سکے۔ عدالت نے اُس کی اس درخواست کو مبنی بر حماقت قرار دیا اور اسے سرزنش کی کہ آئندہ وہ حکم یعسوف جیسے کسی معزز ربی کو بدنام کرنے کی سازش نہ کرے اور بہتر ہے کہ کسی نوجوان کے ساتھ شادی کر کے خوش باش عائلی زندگی گزارے۔"7

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ کردار صرف حال کی خواہشات کا قیدی نہیں بلکہ تاریخ اور فکر سے بھی متاثر ہے۔ حضرت داؤد کی حیات کا مطالعہ اور شاہِ سلیمان کی شخصیت سے مرعوب ہونا دراصل اس کی فکری جستجو اور روحانی وابستگی کا اظہار ہے۔ وہ اپنے خوابوں کو صرف ایک مرد یا ایک خواہش سے وابستہ نہیں رکھتی بلکہ تاریخ، مذہب اور فنون کے آئینے میں بھی اپنی ذات کے لیے معنویت تلاش کرتی ہے۔ یہی معنویت اسے شاہِ سلیمان پر بننے والی فلم اور اس کے کردار کی شخصیت تک لے جاتی ہے، جہاں وہ اپنی زندگی کا اختتام بھی اپنی پسند کے مطابق کرتی ہے۔ اس کا یہ عمل اس بات کا اعلان ہے کہ عورت اپنی زندگی کے فیصلوں پر مکمل حق رکھتی ہے۔

یوں "کبالہ " نسائی فعالیت کا ایک بھرپور بیانیہ ہے، جس میں عورت اپنی خواہشات کو قانونی جواز دلوانے کے لیے جدوجہد کرتی ہے، سماجی تذلیل اور قانونی انکار کے باوجود اپنے خوابوں کو ترک نہیں کرتی، اور اپنی زندگی کا اختتام بھی اپنی پسند اور فیصلے پر کرتی ہے۔ مستقبل سازی کے حوالے سے یہ کردار عورت کی اس اجتماعی سوچ کو نمایاں کرتا ہے جو اپنی ذات کے ساتھ ساتھ آنے والی عورتوں کے لیے بھی راستہ ہموار کرنا چاہتی ہے۔

یوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت نہ صرف اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے کوشاں ہے بلکہ وہ فکری، سماجی اور تخلیقی سطح پر بھی اپنی موجودگی کو منوا رہی ہے۔ تاہم اس جدوجہد کی کامیابی اسی صورت ممکن ہے جب یہ مقامی ثقافتی، مذہبی اور سماجی اقدار سے ہم آہنگ ہو اور محض مغربی تصورات کی تقلید تک محدود نہ رہے۔ ٹیکنالوجی اور ادب نے اس شعور کو مزید وسعت دی ہے، جس کے نتیجے میں عورت ایک باشعور، خود مختار اور فعال سماجی اکائی کے طور پر ابھر رہی ہے۔ یوں عورت کی حقیقی فعالیت محض مزاحمت یا احتجاج میں نہیں بلکہ ایک متوازن، تعمیری اور باوقار کردار ادا کرنے میں مضمر ہے، جو نہ صرف اس کی اپنی شناخت کو مستحکم کرتا ہے بلکہ پورے معاشرے کی فکری اور تہذیبی ترقی میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ فاطمہ حسن، فیمنزم اور ہم (کراچی: وعدہ کتاب گھر، 2005ء) ص13-14

2۔ بشیرہ سلطانہ (مرتب)، اردو ادب میں صنفی مساوات (چنئی: شعبہ اردو احمد سعید کالج فار ویمن، 2015ء) ص10

3۔ کشور ناہید (مترجم)، عورت ایک نفسیاتی مطالعہ (لاہور: وین گارڈ پبلیکیشنز لمٹیڈ، 1982ء) ص157

4۔ منزہ احتشام گوندل۔ آئینہ گر (لاہور: بک کارنر، 2017ء) ص17

5۔ ایضاً، ص25

6۔ ایضاً، ص60

7۔ ایضاً، ص64